اپنے مقصود کو کبھی بھولنا نہیں چاہئے

(فرمودہ ۵؍نومبر ۱۹۳۷ء)

تشہّد ،تعوّذ اور سورۃ فاتحہ کی تلاوت کے بعد فرمایا:-

سب سے پہلے تو میں جماعت کو اس امر کی طرف توجہ دلانا چاہتا ہوں کہ عقلمند انسان کو کبھی بھی اپنے مقصود کو نہیں بھولنا چاہئے ۔ جو انسان اپنے مقصد کو بھول جاتا ہے وہ کہیں کا بھی نہیں رہتا کیونکہ دوسرے مقاصد کیلئے تو وہ کوششیں کر نہیں رہا ہوتا۔ پس جو مقصد اس کا ہوتا ہے اسے بھی اگر بھول جائے تو اس کے تمام کاموں اور جدوجہد کا نتیجہ صفر رہ جاتا ہے۔قرآن کریم میں اللہ تعالیٰ فرماتا ہے لِکُلٍّ وِّجْھَۃٌ ھُوَ مُوَلِّیْھَا[1] یعنی ہر انسان کا کوئی نہ کوئی مقصد ہوتا ہے اور وہ اس مقصد کیلئے اپنی ساری جدوجہد کو وقف کر دیتا ہے اور یہی چیز انسان کی تمام کامیابیوں کی جڑ ہے۔ اللہ تعالیٰ نے انسانی ترقی کیلئے یہ اصل مقرر کر دیا ہے کہ کوشش کچھ نہ کچھ نتیجہ پیدا کر ہی دیتی ہے ۔ چنانچہ اللہ تعالیٰ قرآن کریم میں فرماتا ہے کُلًّا نُّمِدُّ ھٰٓؤُلَاءِ وَ ھٰٓؤُلَاءِ[2] یعنی ہم ہر ایک کی مدد کرتے ہیں۔کوئی نیک ہو یا بد ہم نے دنیا میں یہ قانون جاری کر دیا ہوا ہے کہ جو شخص کسی مقصد کیلئے کوشش ،محنت اور سعی کرے تو جس مقصد کیلئے وہ ایسا کرے اگر اس کی کوشش اس مقصد میں کامیابی کے ذرائع کے مطابق ہو تو اسے کامیاب کر دیتے ہیں ۔ہم ہر ایک کی مدد کرتے ہیں،ان کی یعنی نیکوں کی بھی اور ان کی یعنی بدوں کی بھی ۔تو اللہ تعالیٰ نے اس قانون کا اتنا احترام کیا ہے کہ کوئی انسان خواہ سچے دین کا پیرو نہ ہو تب بھی اس کی کوششیں اگر صحیح ہوں نتیجہ خیز ہوتی ہیں ۔ بلکہ جو لوگ سچے دین کے خلاف کھڑے ہوتے ہیں اگر جدوجہد کرتے ہیں تو گو کامیاب نہیں

ہوتے مگر سچائی کے راستہ میں مشکلات ضرور پیدا کر دیتے ہیں۔ انجام تو بہرحال نیکیوں کا ہی اچھا ہوتا ہے۔ مگر بدوں کی کوششیں بظاہر ایسی فضا پیدا کر دیتی ہیں کہ دیکھنے والے شروع میں سمجھنے لگتے ہیں کہ شاید نبیوں کے دشمن کامیاب ہو جائیں گے۔ جیسا کہ قرآن کریم میں اللہ تعالیٰ فرماتا ہے وَمَآ اَرْسَلْنَا مِنْ قَبْلِکَ مِنْ رَّسُوْلٍ وَّلَا نَبِیٍّ اِلَّآ اِذَا تَمَنّٰٓی اَلْقَی الشَّیْطٰنُ فِیْٓ اُمْنِیَّتِہٖ [3] یعنی جب بھی کوئی مقصد عالی لے کر کھڑا ہو شیطان ضرور اس کے راستہ میں روک ڈال دیتا ہے۔ یعنی یہ نہیں ہوتا کہ وہ روک ڈال ہی نہ سکے روک ضرور ڈال دیتا ہے۔ ہاں اللہ تعالیٰ کی قدرتِ خاص اُس روک کو دور کر کے نبیوں کو کامیاب کر دیتی ہے۔ تو جدوجہد اگر بُرے مقصد کیلئے بھی ہو عارضی کامیابی پیدا کر دیتی ہے اور اگر سچائی کے مقابل پر نہ ہو تو خواہ کافر کی صحیح جدوجہد ہو نتیجہ خیز ہوتی ہے۔

دیکھ لو مکہ والوں نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی مخالفت کی۔ انہوں نے اپنا یہ مقصد قرار دے دیا کہ محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کو زِک پہنچانی ہے اور آپ کو مکہ سے نکال دینا ہے۔ یہ تو ظاہر ہے کہ ایک نبی اور پھر اس نبی کو جو تمام نبیوں کا سردار ہے وہ حقیقی زِک نہیں پہنچا سکتے تھے۔ لیکن اس میں کیا شک ہے کہ اس حد تک وہ اپنی کوششوں میں ضرور کامیاب ہو گئے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو مکہ چھوڑنا پڑا۔ اور ان کو یہ کہنے کا موقع مل گیا کہ ہم کامیاب ہو گئے ہیں اور کہ ہم نے مکہ کو محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کے وجود سے (نَعُوْذُ بِاللّٰہِ مِنْ ذٰلِکَ) پاک کر دیا ہے۔ اگرچہ خدا تعالیٰ نے اُن کو جھوٹا کیا اور بتا دیا کہ جس کے مکہ سے جانے کو وہ مکہ کی پاکی کا موجب سمجھتے تھے اس کا جانا دراصل مکہ والوں کی ہلاکت کا موجب تھا۔ چنانچہ قرآن کریم میں اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ وَمَا کَانَ اللّٰہُ لِیُعَذِّبَھُمْ وَ اَنْتَ فِیْھِمْ وَمَا کَانَ اللّٰہُ مُعَذِّبَھُمْ وَھُمْ یَسْتَغْفِرُوْنَ [4] یعنی مکہ والے خوش ہیں کہ انہوں نے مکہ کو بزعمِ خود پاک کر لیا ہے۔ لیکن انہیں اللہ تعالیٰ کا یہ قانون معلوم نہیں کہ اللہ تعالیٰ کے عذاب سے محفوظ رہنے کے لئے دو ہی طریق مقرر ہیں۔ یا تو یہ کہ وہ لوگ نیک ہوں اور استغفار میں لگے رہتے ہوں اور یا پھر یہ کہ اللہ تعالیٰ کا رسول ان میں ہو اور انہیں رسول کی صحبت جسمانی حاصل ہو۔ رسول کا جسمانی قرب بھی انسان کو بہت سے عذابوں سے بچا لیتا ہے۔ غرض یہی قانون دنیا میں رائج ہے کہ یا تو وہ لوگ عذاب سے بچائے جاتے ہیں جو نیک ہوں اور یا پھر جو رسول کے اِس قدر قریب ہوں کہ ان پر عذاب کا اثر رسول اور اس کے ساتھیوں پر بھی پڑ سکتا ہو۔ پس اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ مکہ والے تو خوش ہیں کہ انہوں نے محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کو نکال لیا ہے اور مکہ کو بزعمِ خود پاک کر دیا

ہے۔ حالانکہ ایسا کر کے انہوں نے ہمارے لئے ان پر عذاب نازل کرنے کا رستہ کھول دیا ہے۔ اب ہمارا رسول ان کے اندر نہیں اس لئے ان پر عذاب نازل کرنے کا رستہ ہمارے لئے کھل گیا ہے۔ اس کی مثال حضرت مسیح موعود علیہ السلام کی زندگی میں بھی ملتی ہے۔ جوانی کے ایام کا واقعہ ہے کہ آپ سیالکوٹ میں ایک مکان میں سو رہے تھے۔ اُس وقت اُس کمرہ میں ایک ہندو صاحب بھی تھے جن کا نام لالہ بھیم سین تھا اور وہ وکالت کا پیشہ کرتے تھے۔ انہی صاحب کے لڑکے لالہ کنور سین کچھ عرصہ ہوا لاء کالج لاہور کے پرنسپل تھے اور بعد میں ریاست جموں وکشمیر کے چیف جسٹس بھی رہے ہیں۔ حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام فرماتے تھے کہ جب سب سو گئے اور رات کا ایک حصہ گزر گیا تو چھت میں ٹک ٹک کی معمولی سی آواز پیدا ہوئی (اور ایسی آواز عام طور پر کوئی کیڑا وغیرہ لگا ہو سنائی دیا کرتی ہے) اور میرے دل میں یہ خدشہ پیدا ہوا کہ چھت گرنے والی ہے۔ اس پر میں نے اپنے ساتھیوں کو جگایا اور کہا کہ یہاں سے نکل جانا چاہیئے۔ مگر انہوں نے کہا کہ کوئی بات نہیں صرف آپ کو وہم ہو گیا ہے، ایسی آواز تو ہمیشہ آیا ہی کرتی ہے اور ایسے کیڑے لگے ہوئے شہتیر دس دس اور بیس بیس سال کھڑے رہتے ہیں۔ اس پر آپ خاموش ہو گئے مگر تھوڑی دیر بعد پھر بڑے زور سے یہ خیال پیدا ہوا کہ چھت گرنے والی ہے۔ اس پر آپ نے پھر اپنے ساتھیوں سے کہا کہ چلو اس کمرے سے باہر نکلو۔ مگر انہوں نے پھر اسی قسم کا جواب دیا اور آپ پھر لیٹ گئے۔ مگر پھر آپ کے دل پر یہ خیال غالب ہوا اور یقین ہو گیا کہ شہتیر ٹوٹنے ہی والا ہے۔ اس پر آپ نے پھر ساتھیوں سے فرمایا کہ اُٹھو اور میری خاطر ہی کمرہ سے نکل چلو۔ اس پر وہ بڑبڑاتے ہوئے اُٹھے اور کہنے لگے کہ خوامخواہ آپ ہماری نیند خراب کر رہے ہیں۔ حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام فرماتے تھے اُس وقت مجھے یقین تھا کہ یہ چھت صرف میرے باہر نکلنے کا انتظار کر رہی ہے۔ اس لئے میں دروازہ میں کھڑا ہو گیا اور ان سب کو ایک ایک کر کے گزرنے کو کہا۔ جب سب نکل گئے تو میرا ایک پاؤں ابھی سیڑھی پر تھا اور دوسرا اندر کہ چھت گر پڑی۔

لالہ بھیم سین صاحب پر اس واقعہ کا اس قدر اثر تھا کہ جن دنوں حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام پر جہلم والا مقدمہ چل رہا تھا، اُس وقت اُن کے لڑکے ولایت سے نئے نئے بیرسٹری پاس کر کے آئے تھے اور شہرت حاصل کر رہے تھے۔ لالہ بھیم سین صاحب نے حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کو لکھا کہ میں نے اپنے لڑکے سے کہا ہے کہ یہ اس کیلئے بڑا اچھا موقع ہے کہ وہ آپ کے مقدمہ کی پیروی

کر کے برکت حاصل کرے۔ لالہ صاحب حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام سے ایسی عقیدت اور تعلق ظاہر کیا کرتے تھے کہ حضور کو اگر کبھی ضرورت پیش آتی تو ان سے قرض منگوالیا کرتے تھے اور احمدیوں سے قرض مانگتے ہوئے حجاب کرتے تھے۔ یہ مثال ایک نمونہ ہے اور بھی ہزاروں مثالیں ہیں مگر یہ چھوٹا سا واقعہ ہے جو بہت نمایاں ہے۔

تو یہ مکہ والوں کی بیوقوفی تھی کہ وہ سمجھتے تھے کہ محمد رسول اللہ ﷺ کو نکال کر انہوں نے مکہ کو پاک کرلیا ہے۔ دراصل انہوں نے پاک نہیں کیا تھا بلکہ مکہ کیلئے خطرہ پیدا کرلیا تھا اور محمد رسول اللہ ﷺ کی پاکیزگی کو مکہ سے نکال کر انہوں نے اپنے آپ کو خطرات میں ڈال دیا تھا۔لیکن بہرحال جس چیز کو وہ کامیابی سمجھتے تھے وہ انہوں نے بظاہر حاصل کرلی تھی۔تو یہ اللہ تعالیٰ کا قانون ہے کہ جو شخص محنت اور سعی کرے وہ ضرور کُلّی یا جزوی کامیابی حاصل کرلیتا ہے اور مومن تو اگر کوشش کرے تو بہت ہی کامیابی حاصل کرسکتا ہے۔ مکہ والوں کا مقصد غلط تھا مگر وہ اس میں لگ گئے۔ اس لئے عارضی کامیابی کی خوشی انہیں بھی حاصل ہوگئی۔اس کے مقابل دیکھ لو آخری زمانہ کے مسلمانوں کا مقصد کتنا عظیم الشان تھا۔یعنی یہ کہ قرآن کریم کی صداقت ظاہر ہو اور محمد رسول اللہ ﷺ کی نبوت ثابت ہو۔مگر انہیں کامیابی حاصل نہیں ہوئی بلکہ ان کی بادشاہتیں مٹ گئیں، جتھے ٹوٹ گئے، وہ علم سے کورے ہوگئے اور انہیں ہر میدان میں شکست پر شکست ہوئی حالانکہ ان کا مقصد کیسا اعلیٰ تھا۔ان کے مقابل پر دیکھو عیسائیوں کا مقصد کتنا غلط تھا۔قرآن کریم میں اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ قریب ہے کہ اس دعویٰ پر جو عیسائی کرتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ کا بیٹا ہے آسمان پھٹ جائے۔عیسائی ایسے خطرناک مقصد کیلئے کھڑے تھے اور مسلمان اس مقصد کیلئے جس کے متعلق اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ دنیا پیدا ہی اس مقصد کیلئے کی گئی ہے۔ چنانچہ حدیث قدسی ہے **لَوْلَاکَ لَمَا خَلَقْتُ الْاَفْلَاکَ**[۵] اگر محمد رسول اللہ ﷺ کا وجود نہ ہوتا تو دنیا پیدا ہی نہ کی جاتی۔

اب دیکھو ایک طرف تو ایسا مقصد تھا جس کیلئے دُنیا پیدا کی گئی اور دوسری طرف ایسا جس سے دنیا تباہ ہوجائے۔مگر باوجود اس کے مسلمان ہارتے گئے اور عیسائی جیتتے گئے۔جس کی وجہ یہ ہے کہ گو مسلمانوں کا مقصد نیک تھا مگر وہ اس مقصد کیلئے جدوجہد چھوڑ بیٹھے تھے اور دوسری طرف عیسائیوں کا مقصد بُرا تھا مگر وہ اس کیلئے سعی اور جدوجہد کررہے تھے۔عیسائی شرک کی تائید میں کھڑے ہوئے اور اپنا سب کچھ اس کیلئے قربان کردیا اور مسلمان توحید کی تائید کیلئے کھڑے ہوئے مگر اسے فراموش کرکے اور

کاموں میں لگ گئے اور آخر دنیا کے ہر گوشہ میں انہوں نے شکست کھائی۔ پس اپنے مقصود کو بھلا دینا بڑی نادانی ہے۔ جس سے انسان کو ہمیشہ ناکامی کا منہ دیکھنا پڑتا ہے۔ جو شخص اپنے مقصد کو فراموش کر دیتا ہے وہ گویا خود اپنے پاؤں کاٹتا ہے۔

ہمارے سلسلہ کا مقصد دنیا میں نیکی اور تقویٰ قائم کرنا ہے اور دنیا میں اللہ تعالیٰ کی بادشاہت قائم کرنا ہے جو نیکی اور تقویٰ سے ہی قائم ہوسکتی ہے۔ یہ تو نہیں کہ خدا تعالیٰ پہلے دنیا کی بادشاہت سے محروم ہے اور ہم نے اس کیلئے لندن کا یا دہلی کا تخت حاصل کر کے کہنا ہے کہ لیجئے حضور یہ ہم نے آپ کے لئے حاصل کیا ہے۔ یہ بادشاہت تو اسے پہلے ہی حاصل ہے وہ جب چاہے اور جس طرح چاہے دنیا میں تغیر پیدا کرسکتا ہے۔ کوئٹہ اور بہار کے زلزلے صاف ثابت کر رہے ہیں کہ دنیا پر اس رنگ میں حکومت اسے حاصل ہے۔ پس جس بادشاہت کیلئے ہمیں کھڑا کیا گیا ہے وہ دلوں پر ایمان اور تقویٰ کی بادشاہت ہے۔ یہی نذرانہ اور یہی ہدیہ ہے جو ہم پیش کر سکتے ہیں اور جس کا مطالبہ ہم سے کیا گیا ہے۔ اگر کسی وقت بھی ہم اس مقصود کو بھول جائیں تو ہماری تمام کوششیں رائیگاں جائیں گی۔ کیونکہ وہ غیر مقصود کیلئے ہوں گی۔ اس لئے ہم کبھی مقصود کو نہیں پاسکیں گے۔ ایک شخص لاہور جانا چاہتا ہے مگر چلتا ہے وہ بیاس کی طرف تو وہ لاہور نہیں پہنچ سکے گا۔ دنیا کے گرد پچیس ہزار میل کا فاصلہ طے کرنے کے بعد ممکن ہے لاہور آ جائے مگر یہ اور بات ہے۔ دنیا میں لڑائیاں بھی ہوتی ہیں، جھگڑے بھی ہوتے ہیں، جوش اور غصہ بھی دلایا جاتا ہے مگر کسی حالت میں بھی ہمیں اپنے مقصود کو نظر انداز نہیں کرنا چاہئے۔

۱۹۱۳ء میں مَیں شملہ کے مقام پر تھا کہ میں نے رؤیا دیکھا کہ میں ایک پہاڑی پر جانا چاہتا ہوں۔ کوئی کہتا ہے کہ رستہ میں شیطان اور ابلیس مختلف طریقوں سے تمہیں ڈرائیں گے۔ مگر تم کوئی خیال نہ کرنا اور ''خدا کے فضل اور رحم کے ساتھ'' ''خدا کے فضل اور رحم کے ساتھ'' کہتے ہوئے چلتے جانا۔ چنانچہ جب میں چلا تو میں نے دیکھا کہ قسم قسم کے وجود ظاہر ہوکر مجھے ڈراتے ہیں۔ کوئی تو وجود انسان کا مگر سر ہاتھی کا ہے۔ کوئی شیر کا دھڑ اور سر انسان کا ہے۔ کہیں خالی دھڑ ہی ہیں اور کہیں خالی سر ہی ہیں۔ کبھی وہ گالیاں دیتے ہیں اور کبھی اور مختلف ذرائع سے اپنی طرف متوجہ کرنا چاہتے ہیں۔ مگر میں ''خدا کے فضل اور رحم کے ساتھ'' ''خدا کے فضل اور رحم کے ساتھ'' کہتا ہوا چلا جاتا ہوں اور کسی کی طرف کوئی توجہ نہیں کرتا اور آخر منزلِ مقصود پر پہنچ گیا۔

یہ غالباً ستمبر ۱۹۱۳ء کا رؤیا ہے جس پر آج ۲۴ سال اور دو ماہ گزرتے کہ مجھے اللہ تعالیٰ کی طرف سے اس امر کی طرف توجہ دلائی گئی تھی کہ عارضی روکوں سے اصل مقصد کو کبھی نہیں بھولنا چاہئے۔ دشمن کا مقصد ہی یہ ہے کہ ہمیں اپنے مقصد سے پھیر دے۔ ڈرا کر، لالچ دلا کر اور گالیاں دے کر وہ چاہتا ہے کہ ہم اپنے مقصد کو بھول جائیں اور بعض لوگ اس سے متأثر ہو جاتے ہیں اور جواب میں گالیاں دینے لگ جاتے ہیں۔ اس سے کئی طرح کے نقصان ہوتے ہیں۔ میں جماعت کے تین چار افراد کو جانتا ہوں جن کو اسی وجہ سے ٹھوکر لگی کہ وہ دشمن کی گالیوں کے جواب میں گالیاں دیتے تھے۔ چنانچہ فخرالدین صاحب ملتانی نے جو بیان دیا، اس میں تسلیم کیا تھا کہ میں نے سید عزیز اللہ صاحب کی معرفت پتہ کرایا کہ حضرت صاحب مجھ پر کیوں ناراض ہیں۔ تو معلوم ہوا کہ میرے ان مضامین کی وجہ سے جو ''فاروق'' میں شائع ہوتے رہتے ہیں۔ بجائے اس کے کہ وہ خوش ہوتے کہ میں ان کو نیکی کا رستہ بتاتا ہوں اس بات سے ان کے دل میں گرہ بیٹھ گئی۔ اگر میں دنیا دار لوگوں کی طرح ہوتا تو ان مضامین پر خوش ہوتا اور اُن کو شاباش دیتا کہ تم نے خوب پیغامی جماعت کو گالیاں دیں۔ مگر میں اپنی ایسی تائید کو بھی پسند نہیں کرتا جو اللہ تعالیٰ کے حکم کے خلاف ہو اِسی بات سے ان کے دل میں بال آ گیا اور جس چیز میں بال آ جائے وہ آخر ٹکڑے ٹکڑے ہو جاتی ہے۔

میں نے بارہا دوستوں کو توجہ دلائی ہے کہ ہمارا فرض ہے کہ اعلیٰ اخلاق دکھائیں۔ میں مانتا ہوں کہ بعض اوقات سختی کرنی پڑتی ہے مگر اس کا رنگ اور ہوتا ہے۔ حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام نے بھی بعض اوقات سختی کی ہے مگر وہ اللہ تعالیٰ کے حکم سے ہے اور جب خدا تعالیٰ سختی کا حکم دے تو نتیجہ کا بھی وہ خود ذمہ دار ہوتا ہے۔ جب وہ اپنے نبی سے کہتا ہے کہ سختی کرو تو ساتھ ہی یہ بھی کہتا ہے کہ جو اس کا جواب دے گا، میں اس کا منہ توڑ دوں گا لیکن ہمارے لئے اس نے ایسا نہیں کہا۔ نبی کی نقل شرعی اُمور میں ضروری ہوتی ہے لیکن خاص امور میں اس کی نقل کرنا بے ادبی ہے۔ نماز ایک عام حکم ہے۔ روزہ ایک عام حکم ہے۔ یہ شرعی احکام ہیں ان میں اگر ہم نبی کی نقل نہ کریں تو یہ گناہ ہے۔ معاف کرنا اور عفو سے کام لینا شرعی احکام ہیں، ان میں نبی کی اتباع جتنی ہو سکے کرنی چاہئے۔ لیکن اگر خدا تعالیٰ نبی سے کہے کہ دنیا کو چیلنج کرو کہ میرا مقابلہ کرے تو یہ چیلنج کوئی شرعی چیز نہیں ہوگی بلکہ خاص حکم ہوگا اور اس میں اگر ہم نبی کی نقل کریں تو گویا اس کا منہ چڑانے والے ہوں گے۔ کئی لوگ مجھے بھی کہتے ہیں کہ آپ اس قسم کا

چیلنج دیں اور کئی نادان خود تیار ہو جاتے ہیں۔ حالانکہ یہ تو نبی کی خصوصیات میں سے ایک خصوصیت ہوتی ہے۔ رسول کریم ﷺ نمازی تھے۔ ہم میں سے ہر ایک کو کوشش کرنی چاہیئے کہ نمازی بنے لیکن محمد رسول اللہ ﷺ خاتم النّبیّن بھی تھے۔ اب کوئی کہے میں بھی خاتم النّبیّن بنتا ہوں تو ہر کوئی سے پاگل کہے گا۔ نماز میں، روزہ میں، عفو میں، دوسروں سے اچھا سلوک کرنے کے معاملہ میں، حسن سلوک میں، یتیموں اور بیواؤں کی خبر گیری کرنے میں ہمیں آنحضرت ﷺ کی نقل کرنے کی کوشش کرنی چاہیئے۔ مگر خاتم النّبیّن بننے میں نقل کرنا جنون ہے، بے ایمانی ہے۔ بعض دفعہ اللہ تعالیٰ انبیاء کو خاص حکم دیتا ہے کہ تم اس اس طرح کرو۔ ان میں ان کی نقل کرنا حماقت ہوتی ہے۔ اللہ تعالیٰ نے حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کو فرمایا کہ ان سے کہہ دو کہ تم ہو کیا گوہ کھانے والی بھیڑیں ہی ہو۔ اب اگر ہم بھی یہ کہتے پھریں تو بدتہذیب کہلائیں گے یا نہیں؟ نبی تو ایک فیصلہ سناتا ہے، جیسے ایک مجسٹریٹ سناتا ہے کہ تم چور ہو اور میں تم کو چھ ماہ قید کی سزا دیتا ہوں۔ لیکن ہم ایسا نہیں کہہ سکتے خواہ کوئی چور ہی ہو ہم اسے چور نہیں کہہ سکتے۔ کوئی مجسٹریٹ یہ نہیں کہتا کہ تم بڑے نمازی ہو، پرہیز گار ہو اس لئے میں تم کو سزا دیتا ہوں۔ وہ چور کہہ کر ہی سزا دیتا ہے۔ لیکن اگر کوئی دوسرا کسی کو چور کہے تو اُسے عیب چین اور بدگو کہا جائے گا۔ لیکن مجسٹریٹ کہتا ہے تو سب کہتے ہیں کیا انصاف کیا۔ پس انبیاء کی کسی ایسی بات کو بطور دلیل پیش نہیں کیا جا سکتا۔

میں نے اخبار والوں کو بارہا توجہ دلائی ہے کہ سخت الفاظ کا استعمال نہیں ہونا چاہیئے۔ اگر کوئی مضمون نگار اس بارہ میں دشمنوں کی نقل کرتا ہے اور کہتا ہے کہ چونکہ وہ سختی کرتے ہیں اس لئے ہم بھی سختی کریں تو وہ غلطی کرتا ہے۔ اس صورت میں ہم میں اور دوسروں میں فرق کیا رہے گا۔ میں ہمیشہ کسی مخالف کا نام لیتے ہوئے ساتھ صاحب کا لفظ لگاتا ہوں اور عزت سے نام لیتا ہوں۔ مگر اس کے یہ معنے نہیں کہ مجھ میں غیرت نہیں یا مجھے غصہ نہیں آتا۔ آتا ہے اور ضرور آتا ہے مگر میں کہتا ہوں ''ایاز قدرِ خود بشناس'' جو رُتبہ نبی کا ہے، وہ اُسی کا ہے اور ہمارا رُتبہ اس کے برابر نہیں ہو سکتا۔ میں نے دیکھا کہ بعض لوگ لکھتے وقت بے احتیاطی کرتے ہیں۔ مضمون لکھتے ہیں تو جواب میں سخت لفظ استعمال کرتے ہیں اور کہتے یہ ہیں کہ دشمن کے بیسیوں الفاظ کے جواب میں یہ ایک لفظ ہم نے لکھا ہے حالانکہ وہ ایک لفظ بھی مناسب نہیں ہوتا۔ مظلومیت کا حربہ بہت بڑا حربہ ہے۔ دیکھو! یزید نے حضرت امام حسینؓ کو گالیاں دیں اور بہت ظلم کئے لیکن امام حسینؓ نے مظلومیت دکھائی اور نتیجہ دیکھ لو یزید کا کوئی نام بھی نہیں لیتا اور حضرت امام حسینؓ کا

آج بھی ماتم کیا جاتا ہے۔ تو مظلومیت کا رُتبہ بڑا ہے جس کی ہمارے دوستوں کو قدر کرنی چاہئے اور اگر وہ ظالموں کی صف میں کھڑا ہونے کی بجائے مظلومیت دنیا کے سامنے پیش کریں تو یہ زیادہ اچھا ہے۔ مومن تو دنیا میں آتا ہی مظلوم بننے کیلئے ہے۔ اس کی مثال تو اس شخص کی ہوتی ہے جو دولڑنے والوں کو چھڑاتا ہے اور جسے دونوں ہی مارتے ہیں اور اس طرح اس کا کام ہی مظلوم بننا ہوتا ہے۔

پس میں دوستوں کو خصوصاً اخبار والوں کو یہ نصیحت کرتا ہوں کہ وہ سخت الفاظ استعمال نہ کیا کریں۔ اگر کسی مضمون میں کوئی سخت لفظ ہو بھی تو اسے کاٹ دیں۔ ایڈیٹر کو یہ حق ہوتا ہے کہ وہ جو لفظ نامناسب سمجھے اسے کاٹ دے اور اگر کسی کو اس پر اعتراض ہو تو وہ اپنا مضمون واپس لے لے۔ یہ کوئی عُذر نہیں کہ ہم نے دشمن کی بیسیوں گالیوں کے مقابلہ میں صرف ایک آدھ لفظ ہی سخت استعمال کیا ہے۔ ہمارے دوستوں کو چاہئے کہ بیسیوں گالیاں سننے کے بعد، چالیس، پچاس اور سَو بلکہ ہزار کا بھی انتظار کریں۔

رسول کریم ﷺ کی مجلس میں ایک دفعہ حضرت ابوبکرؓ کے ساتھ کسی شخص کا اختلاف ہو گیا۔ وہ شخص مَغْلُوْبُ الْغَضَبْ تھا۔ اُس نے سخت الفاظ استعمال کرنے شروع کر دیئے۔ کچھ دیر حضرت ابوبکرؓ خاموش رہے مگر آخر آپ کو بھی غصہ آ گیا اور آپ نے بھی کوئی سخت لفظ استعمال کیا۔ اس پر رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ ابوبکرؓ! اِس وقت تک فرشتے تمہارے طرف سے جواب دے رہے تھے۔ مگر جب دیکھا کہ تم خود جواب دینے لگے ہو تو وہ لوٹ گئے کہ اب اس نے اپنا کام آپ سنبھال لیا ہے۔[۶] پس اپنے مقصود کو سامنے رکھو میرا یہ مطلب نہیں کہ جواب نہ دو۔ جواب میں حق نہ کہنے والے کو بھی رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے گونگا شیطان فرمایا ہے۔ پس جواب دو اور ضرور دو مگر گالی اور سخت کلامی سے نہیں بلکہ نرمی اور رِفق سے۔

جب کوئی شخص غصہ میں آ جائے تو دلائل بھول جاتا ہے اور لفاظی پر خوش ہوتا ہے اور سمجھتا ہے کہ میں نے کیسا منہ توڑ جواب دیا۔ حالانکہ دراصل وہ دشمن کا منہ توڑ نہیں رہا ہوتا بلکہ اپنا ہی قلم توڑ دیتا ہے۔ پس میں یہ نہیں کہتا کہ جواب مت دو۔ جواب نہ دینے والے کو رسول کریم ﷺ نے گونگا شیطان قرار دیا ہے۔ بلکہ مجھے یہ افسوس ہے کہ اس وقت ہمارے بعض دوست عملی طور پر گونگے شیطان کے مثیل بنے ہوئے ہیں۔ ان کو بھی چاہئے کہ سلسلہ کے لٹریچر میں مفید اضافہ کریں۔ میں صرف یہ کہتا ہوں کہ سخت

الفاظ استعمال نہ کریں بلکہ قرآن کریم اور احادیث کے رو سے جواب دیں۔ دوسرا امر جس کی طرف میں دوستوں کو توجہ دلانا چاہتا ہوں یہ ہے کہ تحریک جدید کے تین سال اب ختم ہو رہے ہیں۔ جب میں نے یہ تحریک شروع کی تھی، اُس وقت جماعت کیلئے ایک نیا صدمہ تھا اور دوستوں کیلئے یہ حیرت انگیز بات تھی کہ گورنمنٹ کے بعض افسر بھی ہمارے خلاف ہوگئے تھے۔ اس نے ان کی آنکھیں کھول دی تھیں اور انہوں نے سمجھ لیا تھا کہ ہمارا یہ خیال غلط ہے کہ ہمارے لئے یہی مقدر ہے کہ ہم امن سے اپنا کام کرتے جائیں گے۔ سرکاری حکام کا یہ سلوک اِس قدر آنکھیں کھولنے والا تھا کہ بہت سے سوئے ہوئے بیدار ہوگئے۔ اور لازمی طور پر ہماری بیداری کے ساتھ ہمارے دشمن بھی بیدار ہوئے خواہ وہ حُکّام میں سے تھے، خواہ احرار میں سے اور خواہ وہ دوسرے مولویوں میں سے۔ انہوں نے باہر سے بھی ہم پر حملے کرنے شروع کئے اور اندرونی طور پر بھی۔ ہم میں سے بعض کو اپنے ساتھ ملانا چاہا ''Divide & Rule'' ایک پُرانا اصولِ حکمرانی ہے۔ رومن حکومت کی بنیاد اِسی اصول پر تھی، یعنی محکوموں میں باہم تفریق پیدا کرو اور ان پر حکومت کرتے جاؤ۔ اور بعض انگریز سیاست دانوں نے تسلیم کیا ہے کہ ان کی حکومت کی بنیاد بھی اِسی اصل پر ہے۔ چنانچہ اِس اصل کے ماتحت ہم میں سے بعض لوگوں کے اندر بھی منافقت پیدا کرنے کی کوشش کی گئی۔ چنانچہ پنجاب کے جیلوں کے ایک بڑے افسر کے ذریعہ بِالواسطہ طور پر مجھے معلوم ہوا یعنی اُس نے ایک معزز احمدی افسر کو بتایا ہے کہ احرار کے ایک اہم اور ذمہ داری قیدی نے اُسے ۱۹۳۵ء میں کہا کہ یہ مت خیال کرو کہ قادیان کے خلاف ہماری تحریک ناکام ہوئی ہے بلکہ ہم نے ان میں سے بیس پچیس آدمی اپنے ساتھ ملالئے ہیں اور اس طرح جماعت کے اندر تفرقہ پیدا کر چکے ہیں۔ یہ ۱۹۳۵ء کی بات ہے مگر یہ تدبیریں انہوں نے انسانوں کی طاقت کا اندازہ کرکے کی تھیں خدائی طاقتوں کا ان کو علم نہ تھا۔ انسانی طاقتوں کو نقصان پہنچانے کیلئے یہ اصول بیشک صحیح ہے مگر خدائی طاقتوں کیلئے نہیں۔ کیونکہ خدائی طاقتوں کی جڑ خود خدا تعالیٰ ہوتا ہے اور انسان محض فروع ہوتے ہیں اور جب درخت کی جڑ کٹ جائے تو اسے نقصان پہنچتا ہے۔ لیکن شاخیں کاٹنے سے اکثر درخت پھلتا ہے بلکہ بعض درخت تو ترقی ہی اس طرح کرتے ہیں کہ ان کی شاخیں کاٹی جائیں۔ ہمارے مخالفوں نے سمجھا تھا کہ یہ انسانی کام ہے حالانکہ ایسا نہیں۔ وہ اگر بیس پچیس تو کیا دس لاکھ کو بھی گمراہ کر لیتے بلکہ ساری جماعت کو بھی گمراہ کر لیتے بلکہ ساری جماعت کو بھی گمراہ کر لیتے تو بھی اس درخت کو کوئی نقصان نہیں پہنچا سکتے تھے

کیونکہ اس کی جڑ خدا تعالیٰ ہے۔پس پہلی شاخیں کٹتے ہی اس میں سے نئی شاخیں نکل آئیں۔کئی درخت ایسے ہوتے ہیں کہ جڑ سے کاٹنے پر بھی دوبارہ پھوٹ آتے ہیں۔نیکی کا بیج جو انبیاء کے ذریعہ بویا جاتا ہے وہ بھی اسی قسم کا سخت ہوتا ہے۔تم اسے کاٹ دیتے ہو مگر وہ پھر نکلتا ہے۔تم اسے زمین کے اندر گھس کر بھی کاٹ دیتے دو پھر بھی وہ قائم رہتا ہے۔ بظاہر معلوم ہوتا ہے کہ اب یہ درخت نہیں اُگ سکتا مگر خدا تعالیٰ پھر بھی اس میں سے نیا شگوفہ نکال دیتا ہے۔تو دشمنوں نے ہم پر حملے کئے اور ہمیں متواتر تین سال تک ان کا مقابلہ کرنا پڑا اور ان کے جواب کیلئے اور جماعت کو اِس نئے رستہ پر ڈالنے کیلئے میں نے یہ تحریک شروع کی جو اس لحاظ سے تحریک جدید ہے کہ اسے اب شروع کیا گیا ورنہ وہ قرآن کریم میں موجود ہے۔اس تحریک کے ماتحت ہم نے کئی نئے تجربے کئے ہیں، کئی نئے مشن قائم کئے گئے ہیں اور یہ نیا تجربہ تھا۔ میں نے تحریک کی تھی کہ نوجوان اپنی زندگیاں وقف کریں اور باہر نکل جائیں، یہ بھی نیا تجربہ تھا۔ دوست اپنے ہاتھ سے کام کرنے کی عادت ڈالیں، یہ بھی نیا تجربہ تھا۔تجارت شروع کی جائے، یہ بھی نیا تجربہ تھا۔ پھر صنعتی اداروں کا اجراء بھی نیا تجربہ تھا اور اللہ تعالیٰ کے فضل سے ہمیں ان سب میں کم و بیش کامیابی ہوئی۔سینکڑوں نوجوانوں نے اپنی زندگیاں وقف کیں اور بیسیوں باہر نکل گئے۔کوئی کہیں چلا گیا اور کوئی کہیں۔بعض تین تین سال سے بمبئی اور کراچی میں بیٹھے ہیں۔ وہ کسی بیرونی ملک میں جانے کے ارادہ سے گھروں سے نکلے تھے لیکن چونکہ اب تک کوئی صورت نہیں بن سکی اس لئے ابھی تک اِسی کوشش میں لگے ہوئے ہیں۔ان کے والدین چٹھیاں لکھتے ہیں، مجھ سے بھی سفارشیں کراتے ہیں مگر وہ یہی التجا کرتے ہیں کہ جو ارادہ ایک دفعہ کرلیا اب اسے پورا کرنے کی اجازت دی جائے۔بعض ان میں سے اتنے چھوٹی عمر کے ہیں کہ ابھی داڑھی مونچھ تک نہیں نکلی مگر اس راہ میں وہ ٹوکری تک اُٹھاتے ہیں۔ پھر بعض نوجوان بیرونی ممالک میں پہنچ گئے ہیں اور وہاں بھی کئی نئے تجربے ہمیں حاصل ہوئے ہیں۔ آپ لوگوں کو معلوم ہوگا کہ میں نے کہا تھا کہ ہم نے اپنے لئے مدنی طبع لوگوں لوگوں کی تلاش کرنی ہے۔ چنانچہ اس سلسلہ میں اب تک مختلف ممالک میں قریباً پندرہ مشن ہمارے قائم ہو چکے ہیں۔امریکہ، اٹلی، ہنگری، پولینڈ، یوگوسلاویہ، یہ مشن البانیہ کیلئے ہے۔لیکن چونکہ البانوی حکومت نے ہمارے مبلغ کو نکال دیا تھا وہ وہاں کام کررہا ہے۔فلسطین، جاوا، سٹریٹ سیٹلمنٹ، جاپان، چین، افریقہ۔ان میں سے کئی مبلغ ایسے ہیں جو ہمارے خرچ پر گئے ہیں، کئی اپنے خرچ پر گئے ہیں۔بعض تجارتوں کے ذریعہ سے اچھے

گزارے کررہے ہیں اور بہت خوش ہیں، بعض ابھی مشکلات میں ہیں۔ اَور مختلف مما لک کے متعلق بھی ہمیں نئے تجربے ہوئے ہیں۔ مشرقی مما لک میں سوائے جاوا، سماٹرا اور سٹریٹ سیٹلمنٹ کے ہمیں ابھی کامیابی حاصل نہیں ہوئی۔ چین اور جاپان میں ابھی تک بالکل کامیابی نہیں ہوئی۔ بلکہ تازہ اطلاع جو آج ہی بذریعہ تار مجھے ملی ہے یہ ہے کہ جاپانی گورنمنٹ نے صوفی عبدالقدیر صاحب کو قید کرلیا ہے اور ضمناً میں ان کیلئے دعا کی تحریک بھی کرتا ہوں۔ اس کے متعلق ہم اب تحقیقات کریں گے کہ ایسا کیوں ہوا ہے۔ لیکن بہرحال چوتھے سال کے ابتداء میں یہ واقعہ بھی اللہ تعالیٰ کی طرف سے ایک قسم کا اِنذار ہے کہ سب حالات پر غور کر کے ہمیں سمجھ لینا چاہئے کہ اس قسم کی مشکلات بھی تبلیغ کے رستہ میں حائل ہوں گی۔

صوفی عبدالقدیر صاحب تحریک جدید کے تجارتی صیغہ کے نمائندہ تھے۔ گویا وہ باقاعدہ مبلغ نہیں تھے اور ابھی زبان ہی سیکھ رہے تھے اور اب تو ان کی واپسی کا حکم بھی جاری ہو چکا تھا کیونکہ دوسرے مبلغ یعنی مولوی عبدالغفور صاحب برادر مولوی ابوالعطاء صاحب وہاں جا چکے ہیں۔ تو تجارتی اغراض کے ماتحت جانے والے ایک احمدی کیلئے جب اِس قدر مشکلات ہیں تو تبلیغ کیلئے جانے والوں کیلئے کس قدر ہوں گی۔ جہاں تک معلوم ہو سکا ہے ان پر الزام یہ لگایا گیا ہے کہ وہ جاپانی گورنمنٹ کے مخالف ہیں اور یہ بھی ہمارے لئے ایک نیا تجربہ ہے۔ انگریز ہمیں کہتے ہیں کہ تم ہمارے خلاف ہو اور دوسری حکومتیں یہ کہتی ہیں کہ تم انگریزوں کے خیر خواہ ہو۔ بہرحال یہ سب نئے تجربے ہیں جو ہمیں حاصل ہو رہے ہیں اور ان سے پتہ لگ سکتا ہے کہ کس کس قسم کی رُکاوٹیں ہمارے رستہ میں پیدا ہونے والی ہیں۔ پھر ایک نیا تجربہ یہ ہوا ہے کہ امریکن گورنمنٹ نے ہمارے مبلغ محمد ابراہیم صاحب ناصر کو اِس بناء پر داخل ہونے کی اجازت نہیں دی کہ وہ ایک سے زیادہ شادیاں کرنے کے قائل ہیں۔ تو ہمیں ان مبلغوں کے ذریعہ سے نئی نئی مشکلات کا علم ہوا ہے۔ ان کے علاوہ اور بھی کئی باتیں ہیں جن سے جماعت کے اندر بیداری پیدا ہوئی ہے۔ سادہ زندگی ہے، سینما اور تھیٹروں وغیرہ کی ممانعت ہے۔ اپنے ہاتھ سے کام کرنے کا حکم ہے۔ اس سے قوم میں نئی روح پیدا ہوتی ہے اور یہ سب ایسی چیزیں ہیں کہ ان کے بغیر کوئی قوم قوم نہیں بن سکتی۔

دنیا میں دو قسم کی رفتاریں ہیں ایک تو یہ کہ جہاز کسی منزل کو سامنے رکھ کر چلے اور دوسری یہ کہ ایک شہتیر پانی میں بہا جا رہا ہو۔ پانی جس طرف لے جائے وہ اُدھر ہی چل پڑے۔ ہم نے جماعت میں

صرف روانی نہیں پیدا کرنی بلکہ جہاز والی روانی پیدا کرنی ہے۔ ہمارے لئے ضروری ہے کہ جماعت کیلئے کوئی مقصود قرار دیں اور مراقبہ کرتے رہیں کہ ہماری روانی جہاز والی ہے یا شہتیر والی۔ اگر ہم الٰہی جماعت ہیں تو ہمارا فرض ہے کہ ایک مقصود کو سامنے رکھ کر جہاز کو اُس لائن پر چلائیں کہ خدا تعالیٰ کے مقرر کردہ منزل پر پہنچ سکیں۔

اور تحریک جدید سے میری غرض یہی ہے کہ جن امور کی طرف جماعت کو توجہ کی ضرورت ہے اور ابھی اُس طرف دھیان نہیں، اُس طرف جماعت کو متوجہ کیا جائے اور ہوشیار کیا جائے تا ہم اسلامی نظام کی روح کو قائم کریں۔ اس میں شک نہیں کہ نظام حکومت سے کامل ہوتا ہے مگر جب حکومتوں کو مسلمان بنانے میں ہم کامیاب نہیں ہو سکتے اُس وقت تک جتنا بھی اسلامی نظام ہم قائم کر سکتے ہیں اُتنا ہی کام ہمیں کرتے رہنا چاہیئے اور ایسا کرنے میں کسی شخصیت کی پرواہ نہ کرنی چاہیئے۔ اگر ایک بادشاہ بھی ہمارے ساتھ شامل ہے مگر ہمارے ساتھ نہیں چلتا تو اسے ایک گندہ عضو سمجھ کر الگ کر دینا چاہیئے اور اِس بات کو بالکل بھول جانا چاہیئے کہ یہ جماعت بڑوں اور چھوٹوں اور عالموں اور جاہلوں کی جماعت ہے۔ اور صرف ایک ہی بات کو یاد رکھنا چاہیئے کہ یہ خدا تعالیٰ کی جماعت ہے۔ اگر کوئی آدمی بڑا ہے اور وہ نظام کی پرواہ نہیں کرتا تو اسے بھی الگ کر دیں اور اگر کوئی چھوٹا ہے جو ایسا ہے تو اسے بھی الگ کر دیں۔ اگر کوئی جاہل ہمارے ساتھ نہیں چلتا تو اسے بھی الگ کر دیں اور اگر کوئی عالم نہیں چلتا تو اسے بھی۔ مجھ سے ایک دفعہ ایک شخص نے سوال کیا چونکہ اب وہ فوت ہو چکے ہیں میں اُن کا نام بھی لے دیتا ہوں، وہ صاحب شیخ غلام احمد صاحب واعظ مرحوم تھے۔ اُنہوں نے مجھ سے سوال کیا کہ آپ کے نزدیک کن لوگوں سے تعلق رکھنے میں جماعت کی مضبوطی ہو سکتی ہے، امیروں سے یا غریبوں سے؟ یہ حضرت خلیفہ اوّل کے زمانہ کے آخری ایام کی بات ہے۔ انہوں نے صوفیانہ رنگ میں یہ سوال کیا۔ میں نے انہیں جواب میں لکھا کہ جماعت کی مضبوطی اُن لوگوں کے ساتھ ہو سکتی ہے جو خدا تعالیٰ کے ہوں، خواہ وہ امیر ہوں یا غریب۔ کئی دفعہ خدا تعالیٰ کے سلسلہ کا کام کرنے والا ایک غریب ہوتا ہے اور کئی دفعہ امیر۔ کسی کو کیا پتہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے ترقی کس کیلئے مقدر کی ہوئی ہے۔ پس جو خدا تعالیٰ کا ہے وہی ہمارا ہے۔ اگر امیر خدا تعالیٰ کا ہے تو ہمارے سر آنکھوں پر اور اگر غریب ہے تو وہ ہمارے سر آنکھوں پر۔ اور جو خدا کا نہیں اسے ہمارا سلام ہے۔ ہم نہ سوشلسٹ ہیں کہ غریبوں کو اُبھارنا ہمارا کام ہو اور نہ کیپٹیلسٹ ہیں کہ

سرمایہ داروں کی مدد کریں۔ ہماری جماعت کوئی کسان موومنٹ نہیں کہ ہم کسانوں کیلئے اپنی سعی کو وقف کردیں اور نہ یہ کیپٹیلسٹوں کی سوسائٹی ہے کہ تاجروں اور طاقتوروں کی مدد کریں۔ جو لوگ اس قسم کی باتوں میں پڑتے ہیں وہ ہمیشہ نقصان اُٹھاتے ہیں۔ یہاں بھی بعض لوگ ایسی باتیں کرتے رہتے ہیں۔ کوئی کہتا ہے کہ یہاں غریبوں کی کوئی قدر نہیں اور کوئی کہتا ہے کہ یہاں کسی بڑے چھوٹے کی عزت ہی نہیں۔ حالانکہ ایسی باتیں کرنے والوں میں خود استقلال نہیں ہوتا۔ جو کہتے ہیں کہ غریبوں کو کوئی نہیں پوچھتا، جب مصری صاحب کا فتنہ اُٹھا تو یہی کہتے تھے کہ دیکھو جی اتنے بڑے آدمی کی پرواہ نہیں کی گئی۔ ایسے لوگوں کو صرف باتیں کرنے کی عادت ہوتی ہے، حقیقت کو وہ نہیں سمجھتے۔ جو شخص خدا تعالیٰ کے سلسلہ کیلئے مفید ہے ہم اُسے اونچا کرتے ہیں اور جو مضر ہے اُسے الگ کر دیتے ہیں۔ صرف یہ دیکھنا چاہئے کہ جُدا کرنا ظلم کے رنگ میں نہ ہو بلکہ خیر خواہی کے رنگ میں ہو۔ دانت آدمی ہمیشہ رنج سے ہی نکلواتا ہے وہ اُس کے جسم کا ایک حصہ ہوتا ہے مگر وہ مجبور ہوتا ہے۔ اسی طرح ہم بھی جسے نکالتے ہیں افسردہ دل کے ساتھ ہی نکالتے ہیں، خوشی سے نہیں۔ ہمارے دل غمگین ہوتے ہیں کہ جو چیز ہماری تھی وہ اب ہماری نہیں رہی۔ پس چاہئے کہ خدا تعالیٰ کی محبت ہمارے دل میں ایسی ہو کہ ہم کہیں جس کی وجہ سے درد پہنچا ہے، وہ سب سے بڑا ہے۔ صاحبزادہ مرزا مبارک احمد صاحب کی وفات پر حضرت مسیح موعود علیہ السلام نے ایک نظم لکھی جس کا ایک مصرعہ یہ ہے ؏

بُلانے والا ہے سب سے پیارا اُسی پہ اے دل تُو جاں فدا کر

یعنی بیشک مبارک احمد کی وفات کا صدمہ بڑا ہے مگر اے دل! جس نے اسے اپنے پاس بلایا ہے وہ اس سے بھی زیادہ پیارا ہے۔ یہی وہ حقیقی معرفت کا مقام ہے جو مومن کو حاصل کرنا چاہئے۔ جو شخص سچائی کو چھوڑتا ہے، اسے دلیری کے ساتھ مگر افسردگی کے جذبات کے ساتھ الگ کر دیا جائے۔

یہ تحریک ابتداءً تین سال کے لئے تھے اور یہ تین سال تجربہ کے تھے۔ اور اس کے شروع میں ہی میں نے کہہ دیا تھا کہ یہ نہ سمجھو کہ یہ ختم ہو جائے گی بلکہ تین سال کے بعد یہ اس سے بھی زیادہ تعہّد کے ساتھ جاری ہوگی اور زیادہ گراں اور بوجھل سکیم پیش کی جائے گی۔ آج میں اِس نئی تحریک کو بیان تو نہیں کرتا، صرف احباب جماعت کو توجہ دلاتا ہوں کہ وہ اپنے نفسوں پر غور کریں کہ ان تین سالوں میں انہوں نے اس پر عمل کیا ہے یا نہیں؟ اور اگر کیا ہے تو اس کا کیا نتیجہ ہوا۔ اور اگر نہیں کیا تو وہ سوچیں کہ انہوں نے

بیعت ہی کیوں کی ہوئی ہے۔ جو شخص بیعت میں شامل ہوتا ہے وہ اسی لئے ہوتا ہے کہ میں کچھ سیکھوں اور اس کے باوجود اگر وہ بے پروائی کرتا ہے تو اس کے صاف معنے ہیں کہ وہ مجھے اپنا اُستاد بنا کر اور ہاتھ میں ہاتھ دے کر بھی دنیا کو دھوکا دے رہا ہے اور اپنے نفس کو بھی دھوکا دے رہا ہے۔ سکول میں جا کر وہی لڑکا کچھ سیکھ سکتا ہے جو سمجھتا ہے کہ اُستاد مجھ سے زیادہ جانتا ہے اور اس کی عزت اور احترام کرتا ہے۔ اسی طرح خلافت ایک مدرسہ ہے اور خلیفہ اُستاد ہے اور جو یہ خیال کرتا ہے کہ یہ اُستاد مجھے کچھ نہیں سکھا سکتا اس کا اس مدرسہ میں داخل ہونا فضول ہے۔

پس میں نے جو تحریک کی تھی، ہر شخص کو چاہئے کہ دیکھے اس پر عمل کرنے سے مجھے فائدہ ہوا ہے یا نقصان۔ اگر اسے نقصان نظر آئے اور وہ سمجھے کہ اس پر عمل کر کے وہ خدا تعالیٰ سے دُور ہو گیا ہے تو اسے چاہئے کہ الگ ہو جائے۔ مثلاً میں نے کہا تھا کہ اپنے ہاتھ سے کام کرنے کی عادت ڈالو۔ ایک ہی کھانا کھاؤ، کپڑوں میں کمی کرو۔ یہ نہیں کہ امراء بھی کھدر پہنیں بلکہ یہ کہ جو چار کوٹ بنواتا تھا وہ اب تین ہی بنوائے اور جو تین بنواتا تھا وہ دو سے ہی گزارہ کرے اور جو پیسے بچیں وہ غریبوں پر خرچ کرے۔ یا مثلاً سینما میں کوئی نہ جائے۔ اب ہر شخص غور کرے کہ ان باتوں پر عمل کرنے سے اس کی روحانیت پر ضرب لگی ہے یا ترقی میں مدد ملی ہے۔ اگر وہ سمجھے کہ ضرب لگی ہے تو پھر وہ اس امر پر غور کرے کہ اس کا میرے ہاتھ میں ہاتھ دینا کس کام کا۔ اور اگر سمجھے کہ فائدہ ہوا ہے تو اسے چاہئے کہ پھر آئندہ پیش ہونے والی سکیم پر عمل کرنے کیلئے تیار ہو جائے۔ اور اگر وہ دیکھے کہ تحریک تو مفید تھی مگر اس نے عمل نہیں کیا۔ تو پھر اسے غور کرنا چاہئے کہ جو شخص چشمہ پر بیٹھنے کے باوجود پانی نہیں پیتا وہ کس قدر بیوقوف ہے۔ پس جن کو فائدہ ہوا ہے وہ پہلے سے زیادہ عمل کرنے کیلئے تیار ہو جائیں اور جس نے عمل ہی نہیں کیا وہ اپنی اصلاح کرے۔

اس کے علاوہ دوستوں کو چاہئے کہ اپنے وعدے جلد پورے کریں۔ اس سال قادیان کی جماعت پر بھی بقایا ہے۔ میں سمجھتا ہوں کہ اقتصادی تغیرات ہوئے ہیں۔ ان کی تنخواہیں پہلے ہی کم تھیں اور اس سال ان میں بھی تخفیف کر دی گئی ہے۔ پھر غلہ بھی گراں رہا ہے مگر مومن کے وعدے ایسے نہیں ہوتے کہ ایسی باتیں ان کے پورا ہونے میں روک بن سکیں۔ لاہور کی جماعت بھی اپنے وعدوں کو پورا کرنے میں اچھی ثابت نہیں ہوئی۔ پھر ہندوستان کے باہر کی جماعتوں کے ذمہ ۔/۲۵۰۰۰ کی رقم بقایا ہے۔ اس میں شک نہیں کہ ابھی ان کی مدت جون ۱۹۳۸ء تک ہے مگر رقم بھی ابھی بہت زیادہ ہے اور ان

کے بقائے ان کو مجرم نہیں تو سُست ضرور ثابت کرتے ہیں۔ پس انہیں چاہئے کہ وعدے پورے کرنے کی طرف جلد توجہ کریں۔ اسی طرح ہندوستان کی اکثر جماعتوں کے ذمہ ابھی بقائے ہیں۔ انہیں چاہئے کہ وہ بقائے جلد ادا کریں۔ جو شخص پہلا قدم صحیح اُٹھاتا ہے اُسے اگلا قدم بھی صحیح طور پر اٹھانے کی توفیق ملتی ہے۔ اس لئے دوستوں کو چاہئے کہ اپنے بقائے صاف کریں تا اللہ تعالیٰ انہیں آئندہ اور نیکیوں کی توفیق دے۔

آخر میں مَیں پھر دوستوں کو نصیحت کرتا ہوں کہ اپنی زندگیوں کو عملی زندگیاں بناؤ۔ اب خالی دعووں کا وقت گزر چکا۔ ایسا نمونہ دکھاؤ کہ دشمن کے دل میں بھی یہ لالچ پیدا ہو کہ کاش ہم بھی ایسے ہی ہوں۔ قرآن کریم میں اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ رُبَمَا یَوَدُّالَّذِیْنَ کَفَرُوْا لَوْ کَانُوْا مُسْلِمِیْنَ [۷] یعنی کئی دفعہ کافروں کے دل میں بھی یہ خواہش پیدا ہوتی ہے کہ یہ ایسے اچھے لوگ ہیں اور دنیا کے بہترین وجود ہیں، کاش ہم بھی ایسے ہوتے۔ یہی وہ مقام ہے جس پر پہنچ کر کامیابی حاصل ہوتی ہے۔ جس دن کفار کے دل میں یہ خواہش پیدا ہو، جس دن اِردگرد کے لوگ ہندو، سکھ، غیر احمدی ہمارے اعمال، نظام، تقویٰ اور صداقت کو دیکھ کر یہ خیال کریں کہ کاش ہم بھی ایسے ہوں، اُس دن اور صرف اُس دن خدا تعالیٰ کی بادشاہت دنیا میں قائم ہوگی۔

(الفضل ۱۸؍نومبر ۱۹۳۷ء)

---

۱ البقرة: ۱۴۹ ۲ بنی اسرائیل: ۲۱ ۳ الحج: ۵۳

۴ الانفال: ۳۴

۵ موضوعاتِ کبیر۔ ملا علی قاری صفحہ ۵۹ مطبوعہ دہلی ۱۳۴۶ھ

۶ مسند احمد بن حنبل جلد ۲ صفحہ ۴۳۶ مطبوعہ بیروت ۱۹۷۸ء

۷ الحجر: ۳